لفظ "فقہ"

اور اس کے مترادفات کا تاریخی جائزہ ☆

احمد حسن

لفظ فقہ کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو سمجھنا۔ اس مفہوم میں فقہ اور فہم تقریباً مترادف ہیں۔ عربی کا ایک محاورہ ہے: "فلان لا یفقہ ولا ینقہ"[1] فلاں شخص میں ذرا بھی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ فقہ، فہم اور نقہ "سمجھنے" کے معنی میں تو یکساں ہیں، لیکن مراتب میں مختلف ہیں۔ دورِ جاہلیت میں عرب لفظ فقیہ اس اونٹ کے لئے استعمال کرتے تھے جو حاملہ اور بے حمل اونٹنیوں کے درمیان تمیز کر سکتا جنہیں ابھی جفتی کی ضرورت ہو، ایسے اونٹ کو فحل فقیہ کہتے تھے[2]۔ غالباً فقہ کا عام مفہوم بصیرت اور گہری سمجھ بوجھ اسی محاورہ سے لیا گیا ہے۔ فقہ اللغۃ اور فقہ الحدیث وغیرہ کے الفاظ بھی اسی مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں۔ لسانیاتی یا لغوی اعتبار سے اس لفظ کا مفہوم قانون قطعاً نہیں ہے۔ کسی بھی علم کو بصیرت، گہری نظر اور کامل سمجھ بوجھ سے حاصل کرنے کو ہم فقہ کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ لغت یا حدیث یا قرآن کے ساتھ فقہ کی اضافت سے مراد ان کا گہرا مطالعہ ہے۔

عرب جاہلیت میں حارث بن کلدہ کو فقیہ العرب کہتے تھے، کبھی اس کو طبیب العرب بھی کہا جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیہ اور طبیب دورِ جاہلیت میں مترادف سمجھے جاتے تھے[3]، اور اسی مفہوم

☆ یہ مقالہ جناب ڈاکٹر احمد حسن کی مطبوعہ کتاب THE EARLY DEVELOPMENT OF ISLAMIC JURISPRUDENCE کے ایک باب کا ترجمہ ہے۔ مترجم بھی وہی ہیں۔

۱۔ صحاح الجوہری، مادہ فقہ۔

۲۔ ابن منظور لسان العرب، بیروت، ۱۹۵۶ء، ج ۱۳، ص ۲۵۲۔

۳۔ EDWARD WILLIAM LANE, ARABIC ENGLISH LEXICON

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں دورِ حاضر میں حکیم کا لفظ یونانی اطباء کے لئے مستعمل ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ طبیب، فقیہ اور حکیم کے مفہوم میں حکمت، دانائی، بصیرت اور گہری نظر کا عنصر مشترک ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر لفظ فقہ گہری نظر و بصیرت کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ لیتفقھوا فی الدین (تاکہ وہ دین میں فہم حاصل کریں) سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقہ کا مفہوم اسلامی قانون کے معنی میں مستعمل نہیں تھا، بلکہ اس سے دین کے ہر پہلو پر گہری نظر اور بصیرت سمجھی جاتی تھی۔ اس دور میں اسلام کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، قانونی اور کلامی اور اسی قسم کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کے بعد بصیرت حاصل کرنے کو فقہ کہتے تھے۔

ذیل میں ہم لفظ فقہ کے لغوی مفہوم سے اصطلاحی مفہوم تک ارتقاء کا ایک مختصر جائزہ پیش کریں گے۔

صدر اسلام میں ہمیں ایسی متعدد اصطلاحات ملتی ہیں جو اس دور میں اپنے عام اور وسیع معنی میں مستعمل تھیں، لیکن اسلامی علوم و فنون کی تدوین کے بعد خاص کر قرونِ وسطیٰ میں ان کا مفہوم خاص، اصطلاحی اور محدود و متعین ہوگیا۔ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں ان میں سے

(باقی حاشیہ) مادہ فقہ۔ السیوطی، المزہر، قاہرہ، تاریخ طباعت درج نہیں۔ ج ۱ ص ۲۲۸۔
اس مقالہ میں ہمیں فقہ کی ان تعریفات سے بحث نہیں کرنا جو قرونِ وسطیٰ کے فقہاء نے کی ہیں یہاں ہمیں صرف اس کے مفہوم کے تاریخی ارتقاء کو دکھانا ہے۔ تاہم اس کی فنی تعریفات جو بعض اہلِ علم سے مذکور ہیں۔ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

الفقہ فی الاصل الفہم و اشتقاقہ من الشق و الفتح۔ (ابن اثیر۔ النہایۃ۔ مادۃ فقہ)۔ الفقہ ھو التوصل الی علم غائب بعلم شاھد (الراغب، المفردات۔ مادہ فقہ)۔ الفقہ، ھو الوقوف علی معانی نصوص الشریعۃ واشاراتھا و دلالاتھا و مضمراتھا و مقتضیاتھا۔ والفقیہ اسم للواقف علیھا۔ (الدر المختار۔ ج ۱۔ ص ۶)۔ الفقہ ھو العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلتھا التفصیلیۃ، والفقیہ من اتصف بھذا العلم وھو المجتھد۔ (محمد اعلیٰ التھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون۔ مادہ فقہ)۔

چند اصطلاحات مثلاً فقہ، علم، ایمان، تذکیر، توحید اور حکمت کو ذکر کیا ہے، اور ان کے معنی میں تبدیلی کی وضاحت کی ہے۔ اس قسم کی اصطلاحات کے مفہوم میں تبدیلی کا سبب ظاہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلامی معاشرہ اتنا پیچیدہ نہیں تھا، جو بعد میں چل کر ہوا۔ اسلامی فتوحات کے بعد مسلمانوں کا اختلاط غیر مسلم قوموں کے ساتھ ہوا۔ دوسری تہذیبوں اور تمدنوں کے لوگوں نے اسلام قبول کیا، اور اپنے ذہنوں میں وہ نئے نئے تصورات لے کر داخل ہوئے۔ علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ اسلامی فقہی مذاہب اور کلامی فرقے پیدا ہوئے۔ اسلامی تمدن میں اس عروج و ترقی کے سبب اسلام کی بہت سی اصطلاحات کے مفہوم اب محدود اور متعین ہو گئے۔ ان اصطلاحات کا عام، وسیع اور غیر واضح مفہوم جو عہد نبوی یا اس کے قریبی دور میں سمجھا جاتا تھا اب باقی نہیں رہا۔ اسلامی علوم و فنون میں ہر فن کی اصطلاحات بنائی گئیں جو درحقیقت قرآن و حدیث سے ہی ماخوذ تھیں، اور ان اصطلاحات کی متعین و خاص قسم کی تعریفات نے ان کے مفہوم کو اور بھی تنگ کر دیا۔ اگر ہم ان اصطلاحات میں سے ہر ایک کے مفہوم کے ارتقاء پر بحث کریں تو یہ خود ایک مستقل مقالہ کی شکل اختیار کرے گا، اور ہم اپنے موضوع سے ہٹ جائیں گے، اس لئے ہم یہاں صرف اصطلاح فقہ پر ہی اکتفا کریں گے۔

احادیث میں بھی فقہ کا لفظ کثرت سے مستعمل ہے، اور اس سے بھی وہاں دین میں گہری نظر اور بصیرت مراد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس کے لئے ان الفاظ میں دعا فرمائی۔ اللّٰھم فقہہ فی الدین[۵] (اے اللہ تو اس کو دین میں بصیرت اور گہری نظر عطا فرما)۔ یہاں فقہ فی الدین سے مراد قطعاً قانونی بصیرت نہیں ہے کیونکہ اس دور میں فقہ کو وہ اہمیت حاصل نہیں تھی جو بعد میں ہوئی۔

بعض روایات میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بدو آئے اور آپ سے اپنی قوم میں کسی معلم کو بھیجنے کی درخواست کی جو انہیں دین کی بنیادی باتوں کی تعلیم دے

۴۔ الغزالی۔ احیاء علوم الدین۔ قاہرہ، ۱۹۳۹ء، ج ۱ ص ۳۸۔

۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، ۱۹۵۷ء، ج ۲ ص ۳۶۳۔

اور ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرے۔ اس موقع پر ان کے الفاظ "لیفقھونا فی الحدیث" سے مراد صرف فقہ کی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ لفظ لیفقھونا کی توضیح ان روایات سے ہوتی ہے جن میں شرائع الاسلام کے الفاظ ہیں جن کا مطلب دین کی ضروری اور بنیادی تعلیم ہے۔ اس قسم کی مثالوں سے ہمیں یہ دکھانا مقصود ہے کہ اس دَور میں لفظ فقہ اپنے عام اور وسیع معنوں میں مستعمل تھا۔

آغازِ اسلام میں لفظ فقہ کے مفہوم میں وسعت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ بعض اوقات صوفیہ تک کے لئے لفظ فقیہ استعمال کیا گیا ہے۔ ایک موقعہ پر صوفی فرقد نے حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) سے یہ کہا کہ فقہاء تو اس بات سے اختلاف کریں گے۔ حسن بصری نے جواب دیا کہ تمہیں معلوم بھی ہے کہ اصلی فقیہ کون ہے؟ فقیہ حقیقت میں وہ ہے جو دنیا سے نفرت کرتا ہو، آخرت کے فکر میں ڈوبا ہُوا ہو، دین کا وسیع اور گہرا علم رکھتا ہو، پابندی سے نماز پڑھتا ہو، اپنے معاملات میں سچا ہو، مسلمانوں کی تحقیر سے پرہیز کرتا ہو، اور امتِ مسلمہ کا خیر خواہ ہو۔ حسن بصری نے فقیہ کی جو صفات بتلائی ہیں وہ بعد کے دَور کے فقہاء سے زیادہ صوفیہ پر صادق آتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدرِ اسلام میں فقہ کا لفظ اسلام کے کسی ایک (قانونی) پہلو کے ساتھ اس لئے مخصوص نہیں تھا کہ اس دَور میں دین کی بنیادی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا، اور دین کے سارے ہی پہلو اہم سمجھے جاتے تھے۔ ابھی تک قال اقول، اختلافات اور جزئیات کا دَور شروع نہیں ہُوا تھا۔ اس لئے اس اصطلاح کے معنی عقائد، عبادات، معاملات اور خصوصاً قرآن مجید کے احکام میں سمجھ بوجھ اور بصیرت سمجھے جاتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عباسی خلیفہ مامون (متوفی ۲۱۸ھ) کے عہد تک کلام اور فقہ کے فنون ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوتے تھے، بلکہ فقہ کا اطلاق کلامی مسائل پر بھی ہوتا تھا۔ امام ابوحنیفہ کی طرف جو رسالے الفقہ الاکبر اور الفقہ الابسط کے نام سے منسوب ہیں وہ فقہی مسائل پر نہیں لکھے گئے، بلکہ ان میں عقائد سے متعلق مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ اصطلاح فقہ کی اس معنوی وسعت

۶۔ ابن ہشام۔ سیرۃ النبیؐ، قاہرہ، ۱۳۲۹ھ، ج ۲، ص ۳۲۔

۷۔ الغزالی۔ احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۲۹۔

کے پیشِ نظر غالباً امام ابو حنیفہ نے اپنے دَور میں فقہ کی یہ تعریف کی تھی :- الفقہ معرفۃ النفس مالھا وما علیھا ، فقہ نفس کے حقوق اور نفس کی ذمہ داریوں کے علم کا نام ہے[8] ۔ تمدن کی وسعت کے ساتھ جب فکر و نظر میں گہرائی بڑھی تو عقائد میں نزاع پیدا ہونا شروع ہُوا ، فکر و نظر کی اس آزادی سے اسلام میں نئے نئے فرقے پیدا ہونے لگے ۔ اس لئے عقائد کی وضاحت اور تعیین کے لئے علم الکلام وجود میں آیا ۔ اس دَور میں فقہی مسائل سے زیادہ کلامی مسائل کو اہمیت دی جارہی تھی ۔ ان حالات سے متاثر ہو کر غالباً امام ابو حنیفہ کو یہ کہنا پڑا کہ :- علم ان الفقہ فی الدین افضل من الفقہ ، یہ بات سمجھ لو کہ دین میں فہم پیدا کرنا احکام میں سمجھ حاصل کرنے سے بہتر ہے ۔ یہاں فقہ فی الدین سے مراد غالباً کلامی مسائل اور عقائد ہی ہیں ، اس لئے اصول الدین آگے چل کر کلام کو کہنے لگے ۔ اسی طرح ابو حنیفہ فقہ اکبر بھی کلامی مسائل کو ہی کہتے ہیں :- اصل التوحید وما یصح الاعتقاد علیہ وما یتعلق الاعتقاد منھا فی الاعتقادیات ھو الفقہ الاکبر ۔ حقیقی توحید اور وہ علم جس پر عقیدہ صحیح ہو ، اور وہ امور جو اعتقادات میں عقیدہ سے تعلق رکھتے ہوں ، ان کا نام فقہ اکبر ہے[9] ۔ کہا جاتا ہے کہ معتزلہ نے ہی علم الکلام کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے ابتداءً روشناس کرایا ۔ یہ کام اس وقت ہُوا جب مامون کے دَور میں یونانی فلسفہ کی کتابیں عربی میں منتقل کی گئیں[10] اور غالباً یہ فلسفے کا ہی اثر تھا جس کے اثر سے فکر میں وسعت پیدا ہوئی ، اور لوگ عقائد پر بھی عقلی طور پر سوچنے لگے ۔

صدرِ اسلام میں اصطلاح فقہ کی طرح علم کی اصطلاح بھی وسیع معنی میں مستعمل تھی ۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت ابن مسعود نے کہا کہ ان کے ساتھ دس میں سے نو حصے علم اُٹھ گیا[11] ۔ یہاں علم سے مُراد کوئی خاص فن نہیں ہے ، بلکہ اسلام کا عمومی علم مراد ہے ۔

---

۸ - ابو حنیفہ ، الفقہ الابسط ، اس رسالہ کے اقتباسات البیاضی نے اشارات المرام من عبارات الامام میں دیئے ہیں ، مطبوعہ قاہرہ ، ۱۹۴۹ء ، ص ۲۸ ، ۲۹ ۔ ۹ - ایضاً ص ۲۸ - ۳۰ ۔

۱۰ - الشہرستانی ، الملل والنحل ، قاہرہ ، ۱۳۱۷ھ ، ج ۱ - ص ۳۲ ۔

۱۱ - ابن سعد - الطبقات الکبریٰ ، ج ۲ - ص ۳۳۶ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کو نئے نئے مسائل پیش آئے اور ان کے حل کی تلاش میں انہیں نہایت غور و فکر اور رائے سے کام لینا پڑا جس کو اصطلاح میں اجتہاد کہتے ہیں۔ لفظ فقہ کا استعمال اس مرحلہ پر غیر منصوص مسائل میں تدبر، رائے اور بصیرت سے کام لینے کے معنی میں ہونے لگا۔ اس زمانہ میں محدثین نے روایات، آثار اور احادیث کو جمع کرنا شروع کیا۔ اس وقت علم کے دو ماخذ تھے، ایک غور و فکر، عقل و رائے اور اجتہاد و بصیرت کے ذریعہ حاصل شدہ علم، اس پر فقہ کا اطلاق ہوتا تھا۔ دوسرا روایات سے حاصل کردہ علم، اس پر علم کا اطلاق ہوتا تھا۔ حدیث کی کتابوں میں علم کے عنوان سے ابواب اور جامع بیان العلم جیسے کتابوں کے نام سے مراد عام طور پر یہی روایتی علم ہے جو احادیث اور آثار پر مشتمل ہو۔ دوسری صدی کے آغاز میں جب حدیث کی تدوین باقاعدہ شروع ہوئی، اور اس نے تحریک کی صورت اختیار کر لی، اس وقت حدیث و آثار کے حصول کو علم کہتے تھے۔ اور مجتہدین کے آزادیٔ ضمیر کے ساتھ رائے و اجتہاد پر مبنی علم کو اب فقہ کہنے لگے، جس نے آہستہ آہستہ ایک مکمل فن کی صورت اختیار کر لی۔ ابتدار میں ان دونوں اصطلاحوں کا مفہوم ایک ہی تھا۔ علم کا اطلاق فقہ پر ہوتا اور فقہ کا اطلاق علم پر، لیکن محدثین اور فقہار کے دو الگ الگ گروہ وجود میں آنے کے بعد ان کے مفہوم میں بھی تمیز شروع ہو گئی۔

۹۴ھ کو سنۃ الفقہار کہا جاتا ہے کیونکہ اس سال سعید بن المسیب اور ابو بکر بن عبد الرحمٰن جیسے مشہور فقہار کی وفات ہوئی[۱۲]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اور علم کے معنی میں تمیز پہلی صدی ہجری کے اواخر میں شروع ہو چکی تھی۔ قرآن مجید میں لفظ فقہ کے مشتقات کثرت سے مستعمل ہیں لیکن ان سے عام معنوی معنی مراد ہیں۔ قرآن مجید میں فقہ کا لفظ اصطلاحی معنی میں مستعمل نہیں ہے۔ اور نہ وہاں اس سے مراد کوئی خاص علم ہے جس کو خاص طور پر حاصل کیا جائے۔ اس کے برعکس علم کی اصطلاح قرآن مجید میں ایسے علم کے معنی میں مستعمل ہے جس کو حاصل کیا جائے۔ رب زدنی علماً جیسی آیات کا کچھ ایسا ہی مفہوم ہے[۱۳]۔ اس کی تفسیر وحی سے بھی کی گئی ہے۔

۱۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۵۔ ص ۱۴۳۔ ۲۰۸۔

۱۳۔ قرآن مجید ۲۰: ۱۱۴۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں لفظ علم بعض مقامات پر یقینی علم کے معنی میں مستعمل ہے، جس کا ماخذ وحی ہے یا آثار۔ احادیث کو بھی چونکہ وحی خفی کہا جاتا ہے اس لئے احادیث کے علم کو بھی علم کہتے تھے، جیساکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ فقہ کا مفہوم اس وقت تک عام رہا جب تک رائے واجتہاد سے حاصل کردہ علم یعنی فقہی مسائل واحکام مدون شکل میں وجود میں نہیں آئے تھے، جب اس علم میں اضافہ ہونے لگا اور اس موضوع پر کثرت سے تصانیف وجود میں آگئیں تو فقہ کا اطلاق بھی ایک علم پر ہونے لگا، جس کو اب باقاعدہ پڑھا اور سیکھا جاتا۔ اس تجزیہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ روایتی علم یا آثار اور احادیث سے حاصل کردہ علم، اجتہاد ورائے پر مبنی علم سے قدیم ہے۔ کیونکہ فقہ کی بنیاد ہی نصوص پر ہے، جن پر غور وفکر کے بعد کوئی نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ رائے پر مبنی ہو یا قیاس پر۔

یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ لفظ علم سے مراد آغازِ اسلام ہی سے ایسا علم تھا جو کسی سند پر مبنی ہو، خواہ اس کا ماخذ ذات باری ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت یعنی وہ قرآن مجید یا حدیث سے ماخوذ ہو۔ اس کے برعکس فقہ کی اصطلاح، اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے بھی، شخصی رائے اور انسانی عقل و ذہن پر مبنی علم کو کہتے تھے۔ جاہلی دور میں اس کے مفہوم کے بارے میں ہم پہلے ہی وضاحت کر چکے ہیں۔ اس لحاظ سے فقہ اور علم میں ہمیشہ تمیز کی گئی۔ فقہ اور علم کی اصطلاحیں جب اپنے وسیع معنی میں مستعمل تھیں، اور پوری طرح ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہوئی تھیں، بلکہ کم وبیش ایک اصطلاح کی جگہ دوسری استعمال ہوتی تھی، اس وقت بھی فقہ میں رائے و فکر کا مفہوم غالب تھا، حالانکہ صحابہ کے دور میں فقہاء کا کوئی علیحدہ طبقہ نہیں تھا؛ تاہم صحابہ میں جن لوگوں کا میلان رائے وفکر کی طرف زیادہ تھا، افتاء میں وہ اپنی عقل وبصیرت سے زیادہ کام لیتے تھے، ان کو فقہاء کہا جاتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے فقہاء صحابہ کو بھی بولنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، کیونکہ وہ اپنی فقاہت اور علم کے سبب ان پر چھائے رہتے تھے[۱۴]۔ ظاہر ہے اس سے مراد فقہاء کا کوئی مخصوص طبقہ نہیں تھا جو اموی اور عباسی دور میں ظہور

۱۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۳۶۔

میں آیا، بلکہ وہی لوگ مراد ہیں جو اپنی عقل و ذہانت سے مسائل حل کرتے اور فتوے دیتے تھے۔ مقام جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو فقہ کا طالب ہو، اس کو چاہیئے کہ وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے[۱۵]۔ کیونکہ معاذ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یمن میں ایک قاضی کی حیثیت سے کام کر چکے تھے، اس لئے غالباً حضرت عمرؓ کا اشارہ ان کی فقاہت اور قضاء اور افتاء میں ان کے تجربہ کی طرف ہو۔ تاہم عہد نبوی میں اور ایک عرصہ بعد تک ان دونوں اصطلاحوں کے معنی و مفہوم میں بہت واضح فرق معلوم کرنا مشکل ہے۔

اوپر کے تجزیہ سے اتنی بات تو معلوم ہوتی ہے کہ فقہ کے مفہوم میں آہستہ آہستہ تنگی آتی چلی گئی، اور بالآخر اس کا اطلاق قانونی مسائل میں گہری نظر اور اسلامی قانون پر ہونے لگا، جو اب فقہاء کی انفرادی کوششوں سے مدون ہو چکا تھا اور فقہی ادب کی شکل میں آج بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ مرور زمانہ کے ساتھ خود علم کی اصطلاح کے ساتھ بھی یہی ہوا، اور اس کا اطلاق وسیع معنی سے ہٹ کر بعد میں حدیث اور آثار پر ہونے لگا، جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں۔ فقہی ادب میں کوئی اور حدیث کی تدوین کے ساتھ رائے اور روایت کی اصطلاحیں کثرت سے استعمال ہونے لگیں۔ اور یہ دونوں اصطلاحیں بالترتیب تقریباً فقہ اور علم کے مترادف ہو گئیں۔ عطاء بن ابی رباح (متوفی ۱۱۴ھ) نے ایک بار کسی مسئلہ میں اپنی رائے کا اظہار کیا[۱۶]، تو ابن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) نے ان سے پوچھا کہ یہ فتویٰ تم نے علم کی بنیاد پر دیا ہے یا رائے کی؟ یہاں علم کے مفہوم میں رائے داخل نہیں ہے، بلکہ ایسا علم مراد ہے جو حدیث، آثار یا کسی اور سند پر مبنی ہو۔ علم کا یہ مفہوم بعض روایات سے بھی سمجھا جا سکتا ہے:۔ ان عمر بن عبد العزیز کتب الی ابی بکر بن عمرو بن حزم ان انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او سنتہ او حدیث عمر او نحو ھذا، فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء[۱۷]۔

۱۵۔ ایضاً۔ ص ۲۴۸۔ ۱۶۔ ایضاً۔ ص ۲۶۸۔

۱۷۔ محمد بن الحسن الشیبانی۔ المؤطا، دیوبند۔ ص ۲۹۱۔

عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابو بکر بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث، یا آپ کی سنت، یا حضرت عمرؓ کے آثار اور اسی طرح کی چیزیں جو بھی ملیں ان کو تلاش کرو، کیوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہیں علم (حدیث و آثار) ضائع نہ ہو جائے، اور علماء دنیا سے نہ اٹھ جائیں۔ یہاں علم سے بظاہر حدیث ہی مراد ہو سکتی ہے، جس کی تدوین کا آپ نے حکم دیا تھا۔ مختصر یہ کہ ابتداء میں دونوں اصطلاحوں کا مفہوم عام تھا، بعد میں ان کے مفہوم متعین و محدود ہو گئے۔

فقہ کی اصطلاح کے ساتھ صدر اسلام میں ہمیں لفظ شرائع کا استعمال بھی ملتا ہے۔ اوپر ہم ایک روایت نقل کر چکے ہیں کہ بعض بدوؤں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوم میں ایک معلم بھیجنے کی درخواست کی تھی جو ان کو شرائع اسلام کی تعلیم دے[18]۔ ہم یہ بھی بتا چکے ہیں شرائع سے مراد اسلام کے بنیادی احکام کی تعلیم ہی ہو سکتی ہے۔ لفظ شریعت کا استعمال ابتدائی صدیوں میں ہمیں بہت کم ملتا ہے۔ غالباً بعد کے دور میں اس کے بکثرت استعمال کی وجہ تصوف کی اصطلاح طریقت ہو جس کے مقابلہ میں اسلام کے ظاہری احکام پر زور دینے کے لئے شریعت کے لفظ کو اہمیت دی گئی۔ اتنی بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ لفظ شریعت ابتدائی دور میں اپنے محدود مفہوم 'اسلامی قانون' میں مستعمل نہیں تھا۔ شریعت کے لغوی معنی 'پانی کی طرف راستہ' اور دریا کے کنارے رہنے والوں کے لئے گھاٹ، اور اس جگہ کے ہیں جہاں سے لوگ پانی پیتے ہوں۔ عرب شریعت یا پانی تک جانے والے ایسے راستہ کو کہتے تھے جو مستقل ہو اور دکھائی دیتا ہو[19]۔ غالباً اس سے شارع شاہراہ کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ شرعۃ اور شریعۃ دونوں مستعمل ہیں[20] اور اہل لغت اور مفسرین نے ان کے معنی راستہ اور دین بتلائے ہیں۔ راستہ سے مراد غالباً یہ ہے کہ شریعت ایک ایسی شاہراہ ہے جو خدا نے انسانوں کے لئے متعین کی ہے، صراط مستقیم اور شریعت کا اس لحاظ سے ایک ہی مفہوم ہے۔ یا اس سے مراد خدا کی طرف سے

۱۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱، ص ۳۲۳، ۳۴۵، ۳۵۵۔

۱۹۔ ابن منظور، لسان العرب، مادہ شرع۔

۲۰۔ قرآن مجید، ۵: ۵۱، ۴۵: ۱۷۔

مقرر کردہ واضح راستہ بھی ہو سکتا ہے۔ لفظ شرائع (جمع شریعۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسلام کے ارکان اور بنیادی احکام کے لئے مستعمل تھا۔ خود ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی شرائع اسلام کے بارے میں پوچھا گیا، تو اس کے جواب میں آپ نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج فرمایا[21]۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شرائع اسلام کا اطلاق ابتداء میں فرائض اسلام پر ہوتا تھا۔ بلکہ بعض روایات میں ارکان کے لئے فرائض کا لفظ بھی ملتا ہے۔

امام ابو حنیفہ نے اپنے رسالہ کتاب العالم والمتعلم (اگر اس کتاب کی نسبت ان کی طرف صحیح ہو) میں دین و شریعت میں تفریق کی ہے۔ اگرچہ اہل لغت نے بھی شریعت کے اصطلاحی معنی دین ہی بتلائے ہیں۔ دین کے مشمولات میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی، لیکن تاریخ میں شریعت کے احکام بدلتے رہے۔ ابو حنیفہ نے دین سے مراد بنیادی عقائد لئے ہیں، توحید، رسالت، آخرت اور اعتقادیات کی تعلیم کو وہ دین کہتے ہیں۔ فرائض و شرائع کو وہ شریعت کہتے ہیں۔ وہ تمام پیغمبروں کے لائے ہوئے دین کی تعلیم کو یکساں سمجھتے ہیں، لیکن ان کی شریعتوں کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر پیغمبر نے اپنے متبعین کو اپنی شریعت پر چلنے کی ہدایت کی، اور پچھلے پیغمبروں کی شریعت پر چلنے سے منع کیا[22]۔ ہمارے خیال میں امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں اسلام میں جو مختلف فرقے پیدا ہوئے، اور عقائد و کلامی مسائل پر زور دیا جانے لگا، ان حالات میں لفظ دین کا اطلاق عقائد پر ہونے لگا، اور اس کا مفہوم بہت تنگ و محدود ہو گیا۔ ورنہ ابتداء میں دین کا مفہوم وسیع اور جامع تھا۔

امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) لفظ شریعت کو رکن کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ حج بدل کے مسئلہ میں ان کا امام مالک سے اختلاف ہے۔ امام مالک کے نزدیک حج بدل انسان کی زندگی میں جائز نہیں ہے۔ وہ اس کو نماز اور روزہ پر قیاس کرتے ہیں۔ جیسے ایک شخص کی طرف سے نماز اور روزہ دوسرا شخص ادا نہیں کر سکتا، اسی طرح اس کی طرف سے حج بھی نہیں کر سکتا۔ امام شافعی

۲۱۔ البخاری، الجامع الصحیح۔ کتاب الصوم۔ باب ما جاء فی وجوب رمضان، مسند احمد بن حنبل، قاہرہ ۱۳۱۳ھ، ج ۱ ص ۲۶۴۔

۲۲۔ ابو حنیفہ، کتاب العالم والمتعلم، حیدرآباد دکن ۱۳۴۹ھ، ص ۵-۶۔

امام مالک کو احادیث کی روشنی میں اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور آخر میں کہتے ہیں لا تقاس شریعۃ علی شریعۃ ایک رکن کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے فقہاء کے یہاں شریعت کا لفظ اس مفہوم میں عام طور پر مستعمل نہیں ہے۔ امام شافعی لفظ شرائع فرائض کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔ ۲۴

قرونِ وسطیٰ میں شریعت کا مفہوم بہت جامع اور وسیع تھا۔ اور یہ جامعیت آج بھی باقی ہے۔ لفظ شریعت اسلام کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہے۔ فقہ اور کلام دونوں اسی کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اور حاضر کے ایک ممتاز عالم پروفیسر آصف فیضی شریعت کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں اور مختلف اصطلاحوں کے درمیان فرق بتاتے ہیں۔

"اصطلاح شریعت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جملہ اسلامی اعمال اس میں داخل ہیں۔ فقہ کا مفہوم نسبتہً محدود اور تنگ ہے۔ اور اس میں وہی مسائل داخل ہیں جن کا عام طور پر قانون سے تعلق ہے۔ لفظ شریعت سے ہمارا ذہن اس علم کی طرف جاتا ہے جس کا ماخذ وحی الٰہی ہے۔ یعنی ایسا علم جو قرآن و حدیث پر مبنی ہو۔ فقہ میں عقلی اجتہاد پر زور دیا جاتا ہے۔ اور علم و سند کی بنیاد پر مسائل کا استخراج کیا جاتا ہے۔ شریعت کا راستہ خدا اور اس کے رسولؐ نے متعین کیا ہے۔ فقہ کی عمارت انسانی ذہنی کوشش سے تعمیر ہوئی ہے۔ فقہ میں اعمال کے جائز اور ناجائز ہونے سے بحث ہوتی ہے۔ شریعت میں بھی جواز و عدم جواز کے کچھ اسی طرح مراتب ہیں۔ اصطلاحِ فقہ کا اطلاق قانون پر ایک علم کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اور شریعت کا اطلاق حق و صداقت کے اس راستہ پر ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے بتایا ہوا ہے۔" ۲۵

لفظ شریعت اور فقہ کے مفہوم میں اس نازک فرق کے باوجود دونوں کے درمیان کوئی واضح خط کھینچنا

۲۳۔ الشافعی، کتاب الام، قاہرہ، ۱۳۵۰ھ، ج ۷، ص ۱۹۶ - ۱۹۷۔

۲۴۔ الشافعی، جامع العلم، قاہرہ، ۱۹۴۰ء، ص ۱۰۴۔

۲۵۔ ASAF A.A. FAYZEE, OUTLINES OF MUHAMMADEN LAW, LONDON, 1960, P 21,

مشکل ہے۔ کیونکہ بعض اوقات یہ دونوں اصطلاحیں ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ ہمارے دور میں لفظ شریعت کا اطلاق عقائد اور اعمال دونوں پر ہوتا ہے اور فقہ قانون کے ساتھ مخصوص ہے۔

عہد نبوی میں ہمیں ایک اور اصطلاح "قراء" کی بھی ملتی ہے۔ عرب میں چونکہ لکھنا پڑھنا بہت عام نہیں تھا، اس لئے آپ کے زمانہ میں جو قرآن مجید پڑھ سکتے تھے ان کو قراء کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بستی میں جن ستر صحابہ کو قرآن مجید اور اسلام کی بنیادی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا ان کو قراء کہا جاتا ہے[٢٦]۔ تہذیب و تمدن کی ترقی کے بعد عربوں میں تعلیم عام ہو گئی، اور ان میں ہر علم و فن کے ماہرین پیدا ہونے لگے۔ اب یہی اہل علم جن کو آغاز اسلام میں قراء کہا جاتا تھا، ابن خلدون کے خیال کے مطابق، فقہاء اور علماء کہلانے لگے[٢٧]۔ تابعین جو فقہ میں ماہر تھے ان کو فقہاء اور جو حدیث میں کمال رکھتے تھے ان کو علماء کہا جاتا تھا[٢٨]۔ سعید بن المسیب جیسے جامع علماء کو فقیہ الفقہاء اور عالم العلماء کہا گیا ہے[٢٩]۔ مؤطا مالک سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں

٢٦۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ۔ ج ٢۔ ص ٥٢۔

٢٧۔ ابن خلدون۔ مقدمہ، بیروت ١٩٠٠ء، ص ٤٤٦۔

ابن خلدون کے قول کی تصدیق امام محمد کے اس قول سے ہوتی ہے :- انما قیل أقرأهم لکتاب اللہ، لان الناس کانوا فی ذلک الزمان أقرأهم للقرآن افقهم فی الدین۔ (کتاب الآثار۔ امام محمد۔ مطبوعہ کراچی۔ ص ٦٨)۔

ابن مسعود کے ایک قول میں قراء کی اصطلاح لغوی معنی میں بھی مستعمل ہے، غالباً ان کے آخری دور سے اس کے مفہوم میں تنگی شروع ہو گئی تھی اور یہ لفظ فقہاء اور علماء کے مفہوم میں عام طور پر مستعمل نہ ہوگا۔ ان عبد اللہ بن مسعود قال لانسان: انک فی زمان کثیر فقهاؤه قلیل قراؤه تحفظ فیه حدود القرآن، وتضیع حروفه .... وسیاتی علی الناس زمان قلیل فقهاؤه، کثیر قراؤه، یحفظ فیه حروف القرآن وتضیع حدوده۔ (مؤطا مالک، قاہرہ، ١٩٥١ء، ج ١۔ ص ١٧٣)۔

٢٨۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ۔ ج ٢۔ ص ٣٧٨۔

٢٩۔ ایضاً۔ ج ٥۔ ص ١٢١۔

میں اہل العلم اور اہل الفقہ کی اصطلاحیں بھی مروج تھیں۔ اور ان کا اطلاق زیادہ فقہ سے دلچسپی رکھنے والوں پر ہوتا تھا۔

فقہ کی تدوین کے ساتھ اہل علم نے فقہی مسائل کی تبویب شروع کر دی۔ اور ایک قسم کے مسائل ایک باب میں جمع کر دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ فقہ کی تبویب سب سے پہلے ابو حنیفہ نے کی۔ کتاب الآثار سے جو درحقیقت ابو حنیفہ کی تصنیف ہے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ عبداللہ بن المبارک (متوفی ۱۸۱ھ) نے حدیث و آثار کو فقہ، مغازی اور زہد کے عنوانات سے الگ الگ جمع کیا، اور ان کی تبویب[۳۰] کی۔ دوسری صدی ہجری کے وسط میں فقہ پر مستقل تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ابو یوسف اور خصوصیت سے امام محمد بن الحسن شیبانی کی تصانیف اس سلسلہ میں پہلی منظم کوشش ہے۔ مؤطا مالک کو فقہی ادب میں سرفہرست رکھا جا سکتا ہے، لیکن اس کتاب کے بارے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ نہ خالص حدیث کی کتاب ہے اور نہ خالص فقہ کی۔ درحقیقت یہ کتاب اس دور کی یادگار ہے جب حدیث و فقہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوئے تھے، بلکہ دونوں پر مشتمل ملے جلے مجموعے تیار کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد سے دونوں فنون پر مستقل تصانیف شروع ہو گئیں، اور فقہ و حدیث جن کی بنیاد رائے اور روایت پر ہے مستقل فن بن گئے۔

۳۰۔ الذہبی: تذکرۃ الحفاظ۔ حیدر آباد دکن، ج ۱، ص ۲۵۰۔